بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم صدر صاحب اولڈ بوائز ایسوسی ایشن

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید واثق ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے بعافیت ہوں گے۔تمام ممبران کرام کی خدمت میں میرا محبت بھرا اسلام پہنچا کر عنداللہ ماجور ہوں۔اللہ تعالیٰ سبھی کو سکھی اور شادکام رکھے اور ان کے دامن سدا دائمی خوشیوں اور بامرادیوں سے لبریز رہیں۔جب بھی کسی پرانے کلاس فیلو سے ملاقات کا اتفاق ہو تو قلبی مسرت اور دلی خوشی ہوتی ہے۔اپنائیت اور محبت کے جذبات میں ایک تموج ہوتا ہے۔

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ سے ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

میرے ایک نہایت ہی پیارے اور مشفق دیرینہ دوست محترم مبشر احمد کاہلوں صاحب مقیم جرمنی جب بھی وطن مالوف لوٹتے ہیں تو ازراہ نوازش اپنی عدم الفرصتی کے باوجود میرے لئے کچھ وقت ضرور نکالتے ہیں۔اور یوں کالج کے ساتھیوں کے تذکرہ سے تشنہ کامی کی سیرابی کا سامان بہم ہو جاتا ہے۔ہمیشہ اس کا انتظار رہتا ہے اور یہ زندگی کے جمود اور یکسانیت میں تحرک کا باعث ہوتی ہے۔گزشتہ دنوں اچانک آ نکلے حسب عادت پرانی یادیں تازہ ہوئیں۔باتوں باتوں میں اولڈ بوائز کی ویب سائٹ کا ذکر ہوا۔اسے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا۔میں کہ جدید ٹیکنالوجی سے اجنبی ٹھہرا۔مطلوب کے لئے اعانت کی احتیاج لازم ٹھہری اپنے ایک بچے کے ذریعہ اس سائٹ تک رسائی پائی۔خوب لطف اندوز ہوا۔لذت واحتظاظ سے سیر کام ہوا۔کچھ تحریریں تھیں کچھ تصویریں۔

نمودِ جلوہَ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

خودکلامی سے بات آگے بڑھی تصویریں بھی بولنے لگیں تو گویا ایک دفتر کھلا ایسی محفل برپا ہوئی کہ کچھ نہ پوچھیے!

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ وخیال کا ساماں کئے ہوئے

لذت وکیف اور لطف وسرور کی کیفیت تادیر دل ودماغ پر مستولی رہی۔اس آئینہ خانے میں محو حیرت رہا ادنیٰ تغیر کے ساتھ یہ مصرعہ خوب صادق آیا

''تصویروں'' سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے

کالج کے زمانہ کی مشغولیات ومصروفیات، ھنگامہ خیزیاں اور خوش خرامیاں، رنگینیاں اور خوش مزاجیاں تبصرے اور مکالمےایک فلم کی صورت آنکھوں کے سامنے آگئے۔ خوبرو اور دلربا شخصیات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔

میری حالت کا نقشہ غالب کا یہ شعر کھینچتا ہے۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

قدم قدم بدلتے خوشنما مناظر، حسین یادوں کے معطّر ومعنبر جھونکے، دلربا آوازوں کی بازگشت، التذاذ واھتزاز کے عالم میں سرمست میں ایک وادی سے دوسری میں گھومتا رہا تھا۔فضل عمر ہوسٹل کے درودیوار، نقش ونگار، راہداریوں اور دالانوں میں شاداں وفرحان پھرتے ٹہلتے خوبرو نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا ابتسام وانبساط ان کے چہروں سے چھلک رہا تھا، پیشانیوں پر کامیابیوں اور کامرانیوں کی امید کی چمک تفنن طبع سے آراستہ وپیراستہ بجے سجائے، بہت لطف اٹھایا اور بڑا مزا پایا اسی لمحہ مجھے خیال آیا کہ ان ظاہری صُور کے پیچھے ایک خوب تر اور دلآویز ایک اور دنیا بھی آباد ہے عجیب تر تھی یہ دنیا کہ ہم ایک قبیلہ کی صورت میں ہنسی خوشی رہتے تھے۔ یارانے بھی تھے دوستانے بھی۔ باہم دل لگی اور چھیڑ چھاڑ بھی سنجیدگی اور متانت کے اطوار بھی۔مقصد کو اولیت وفوقیت بھی حاصل تھی اور تفریح و مشاغل بھی۔ معصوم شرارتیں اور لطیف مزاح، برجستہ جملوں کی کا تبادلہ، چھیڑ خانیاں بھی اور علمی موشگافیاں، ایک ہماہمی اور گہما گہمی، امنگ اور ترنگ کا اُمڈا ہوا سیلاب تھا۔ ہر طرف زندگی رنگ بکھیرتے نظر آتی۔ان رنگوں کو مزید شوخ ہونے کا سامان بھی بہم ہوتے کہ فراق ووصال کے لمحات بھی دخیل ہوتے۔ ناہمواریاں اور ناخوشگواریاں اور گریز اور دوریاں بھی در آتیں۔ اور فاصلے بھی جنم لیتے لیکن یہ محض وقتی اور عین عارضی حالتیں ثابت ہوتیں۔ پھر وہی رابطہ وتعلق، وہی بے تکلفی واپنائیت، وہی قربتیں وہی چاہتیں، وہی شناسائیاں اور ان میں رعنائیاں سب عود کر آتیں۔ اس لئے کہ ایک گہرا قلبی رشتہ اور مضبوط دلی لگاؤ مستحکم بنیاد تھی۔ جو عارضی کیفیات رفع ہوکر اپنی اصل حالت پر قائم ہوجاتی۔ ایک حسین اور دلکش امتزاج اور توازن تھا۔سوال پیدا ہوتا ہے اس ماحول کا قیام ودوام کیسے ممکن ہوا؟

گھر جنت مقام ہوتا ہے۔ جہاں محبت و پیار کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ہمدردی اور اخلاص کی فضا ہوتی ہے۔ وفا اور ایثار کا جذبہ ہوتا ہے۔ ماما کی محبت اور پدری شفقت سایہ فگن ہوتی ہے۔ان کی نیک تمنائیں اور گداز دعائیں لازم حال ہوتی ہیں۔ ایک بطن سے تولد پانے والے بہن بھائی خونی رشتہ سے پیوستہ اور الفت و پیار کے بندھنوں میں جڑے ہوتے

ہیں۔ ہر رویہ اور برتاؤ دل کی گہرائیوں سے جنم لینے والے جذبات کا عکاس اور نصوح اور خیر خواہی اور اخلاص کا ترجمان ہوتا ہے۔ایک تقدس اور پاکیزگی غالب نظر آتی ہے۔ یہ عوامل اور محرکات وحدت اور موافقت کے لئے ساز گار ماحول میسر کر دیتے ہیں اور گھر گھر قرار پاتا ہے اس صورتحال کو سمجھنے میں تو کوئی دقت درپیش نہیں ہوتی۔

لیکن ایک دوسرا منظر نامہ ہے۔ ماحول اور فضا بعینہٖ یہی۔ مگر عناصر و عوامل بالکل مختلف۔ جہاں اجزائے ترکیبی کچھ اور نتیجہ کچھ اور، اور اس مشہود وظہور کو عقل باور کرنے میں اشکال پاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے۔ کہ تعلیم السلام کالج میں جب ہم پڑھتے تھے اس وقت فضل عمر ہوسٹل میں 400 سے زائد طلباء اقامت پذیر تھے۔ یہ طلبہ اپنے گھروں سے مانوس، والدین بہن بھائیوں کی محبتوں سے دلآرام، بچپن کے ساتھیوں اور ہم جولیوں کی رفاقتوں کے رسیا، تعلیم کے حصول کے نیک مقصد کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس درسگاہ میں آ جمع ہوئے۔ محرومیوں سے سرگراں اور نئے ماحول کی اجنبیت سے اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا۔ کچھ دیہاتی ماحول میں پروردہ اور کچھ شہری زندگی کے دلدادہ۔ غربت و امارت کے نشیب و فراز کی تلخیوں اور آسائشوں کے عادی۔ خاندانی روایات وطرز معاشرت کے اختلاف، عادات و طبائع میں تفریق، تربیت کے مختلف مدارج سے گزرنے والے یہ نوجوان جو عنفوان شباب کے پرخطر مراحل میں داخل تھے۔ جوش و جولان، سرکشیدگی کے طغیان، اُداسی اور جدائی کے عنوان لے کر یہ بصورت ہجوم ایک چھت کے نیچے یکجا ہو گئے۔ سابقہ وابستگیوں اور دلچسپیوں کو خیر باد کہہ کر محرومیوں اور رنجوریوں کے احساسات سے بوجھل کئی طور کے تفاوت و تضادات کی کشاکشوں میں الجھے ہوئے اکٹھے ہونے والے اس گروہ میں باہم انتشار اور خلفشار کا پیدا ہونا تو قرین قیاس لگتا ہے مگر ایک وحدت میں پرویا جانا یک جہتی اور یگانگت کا مظہر بن جانا بادی النظر میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کثرت اختلاف کا تلاطم اور اشتراک کی وجوہ کم۔

لیکن حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب ہم ہوسٹل کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو اس کا ماحول گھر سے کم نہ تھا۔ اپنی خوبیوں، رعنائیوں، دلچسپیوں اور دلکشیوں کے اعتبار سے بے نظیر تھا۔ اور اس کے نقوش آج تک ذہنوں پر مرتسم ہیں۔ اور وہ یادیں زندگی کا عزیز ترین سرمایہ لگتی ہیں۔ یوں تو ہر تعلیمی ادارے کے ہوسٹل ہوتے ہیں۔ رہائش اور آرام اور بہتر معیار زندگی ہوتا ہو گا مگر ان کے مکینوں میں مواخات، مواسات، محبت و مودّت اور الفت و پیار اور ربط وارتباط کی جو کیفیات یہاں موجود تھیں وہ غالباً کسی اور جگہ پر نہ پائی جاتی ہوں۔ ان متفرق اوراق کی اس سلیقہ اور احتیاط سے شیرازہ بندی کی گئی کہ یہ بظاہر سرائے ایک مکان امن و محبت میں مبدل تھا۔ اس اقامت گاہ کو ایک خوبصورت گھر کی شکل دینے میں نجانے کتنی سوچ و بچار، منصوبہ بندی اور محنت اور عرقریزی کی گئی ہوگی۔ مگر جو ہم نے دیکھا اور پایا وہ ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ ایسی اعلیٰ اقدار اور

روایات پر یہ قائم ادارہ جو بے مثل تھا۔ ہمارے نہایت ہی بزرگ اور ملک کے معروف Educationest حضرت قاضی محمد اسلم صاحب نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ CSS کے انٹرویوز میں (جس بورڈ کے وہ مستقل ممبر تھے) بعض اوقات کوئی امیدوار ہال میں داخل ہوتا تو ممبران بورڈ میں سے کوئی بے اختیار کہہ اٹھتا کہ ٹی آئی کالج کا لڑکا ہے۔ دوران انٹرویو اس بات کی توثیق ہو جاتی۔ یہ رنگ اور یہ انداز شخصیت سازی اور اعلیٰ روایت کا کرشمہ تھا۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ عطار بگوید

ایسا کیوں تھا؟ ہمارے اساتذہ کی توجہ اور دلسوزی تھی انہوں نے شفقت پدری کے تقاضے خوب نبھائے۔ معلم کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کو باحسن پورا کیا۔ ہر رنگ میں اور ہر حال میں نگاہ التفات رکھی ہر آن اور ہر گام رہنمائی کا حق ادا کیا۔ ہمیں ظاہری نشست و برخاست کے آداب سکھائے۔ ظاہر صفائی اور باطنی پاکیزگی کے طور طریقے سکھلائے۔ جینے کا قرینہ سمجھایا شائستگی، وقار اور متانت کے سلیقے بتائے۔ ہماری تربیت کے ہر گوشہ پر توجہ رکھی کوتاہیوں، فروگزاشتوں اور لغزشوں پر متنبہ کیا اچھے اور بُرے کی تمیز سے روشناس کروایا۔ سیات کی جگہ حسنات اختیار کرنے کے ڈھنگ بتلائے اور مواقع میسر کئے۔ اخلاق حسنہ کی تحریص اور ترغیب دلائی۔ تحصیل علم کہ جس مقصد کے لئے ہم آئے تھے اس کی تحریض اور تحریک کا عمل جاری رکھا۔ راتوں کو جاگ کر سٹڈی آورز کے نگران رہے۔ امتحانوں کی پراگریس پر نگاہ رکھی۔ بوقت ضرورت تادیب کی اور حسب ضرورت حوصلہ افزائی۔ ہماری مشغولیات و مصروفیات، رجحانات و میلانات پر خاموش مگر کڑی نگرانی رکھی۔ دینی تربیت پر تو بطور خاص توجہ دی۔ نماز باجماعت کی پابندی کروائی۔ صبح اور عشاء کی نماز پر تو فرداً فرداً حاضری لی جاتی۔ اور عدم حاضری کی صورت میں پرسش ہوتی۔ اور ہر ماہ ہمارے والدین کو جو رپورٹ بھجوائی جاتی اس میں نماز کی حاضری کا مذکور ہوتا۔ دعاؤں کے یاد کروانے کا اہتمام، بہشتی مقبرہ حاضر ہو کر دعاوں کی تحریک، حضور کی خدمت میں دعائیہ خطوط عرض کرنے کی تاکید، صحبت صالحین کے لئے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی تعلیم، دینی معلومات میں اضافہ کے لئے امتحانات کا انعقاد۔ غرضیکہ بے شمار پہلو تھے۔ ہمہ جہتی اصلاح اور ترقی پیش نظر تھی، جن کو نہایت خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ پروگراموں کا حصہ بنایا گیا تھا۔

عملی میدان میں مقابلہ اور مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے کئی پروگرام تھے۔ قائدانہ صلاحیتیں بیدار کرنے کے لئے کئی سوسائیٹز قائم تھیں جن کے ہر سال انتخابات ہوتے اور عہدیدار چنے جاتے۔ رائے کی اہمیت اور فضیلت کا بیان کرکے ووٹ دینے کی تاکید کی جاتی عہدیداران بڑی ذمہ داری سے سال بھر محنت کرکے اپنی اپنی تنظیم کو فعال اور متحرک رکھتے۔ اور طلبہ بڑے شوق اور ذوق اور دلچپی سے ان میں شریک ہوتے۔ دنیا کے مسائل اور حالات و

واقعات اور دینی موضوعات پر نامور شخصیات اور معروف علماء کی تقاریر اور خطابات کے انتظام کے لئے لٹریری سوسائٹی تھی۔انڈور گیمز کے لئے کامن روم تھا۔اس کو چلانے کے لئے کامن روم سوسائٹی تھی جو تمام متعلقہ امور کی نگرانی اور سامان کی فراہمی اور نظم وضبط اور کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کی پابندی کرواتی ۔اسی طرح میس کمیٹی تھی جو میس کے تمام لوازم کا خیال رکھتی وغیرہ وغیرہ ۔کئی اس طرح کے اہتمامات تھے جن کو طلبہ خود آرگنائز کرتے ۔

پریفکٹ کا نظام تھا۔جوڈسپلن ،عمومی حاضری ،نمازوں کی حاضری ،سٹڈی آورز کی نگرانی ہوسٹل سے باہر جانے کا اجازت نامہ جاری کرنا۔محترم وارڈن صاحب کی جملہ ہدایات کی تنفیذ ان کے سپرد ہوتا۔اس امر کا بطور خاص خیال رکھا جاتا کہ پریفیکٹ کی پوری اطاعت کی جائے اس طرح امیر کی اطاعت اور نظم وضبط کی عادت ذہنوں میں نقش کی جاتی۔

بیان کے ہر دو پیرائے یعنی تحریر اور تقریر کے ملکہ کو ابھارنے اور نکھارنے اور سنوارنے کے لئے فورم تھی تا اظہار پر قدرت حاصل ہو۔خدا تعالی نے انسان کو دیگر مخلوق پر جو شرف اور فضیلت بخشی ہے اس کی نشوونما ہو۔

مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو متعارف کروانے اور شوق بیدار کرنے کے لئے دوران سال کئی شعبوں کے مقابلہ جات منعقد ہوتے جن میں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعام کا مستحق قرار دیا جاتا۔اور سالانہ فنکشن کے موقع پر یہ انعامات تقسیم ہوتے جو ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا۔

سالانہ فنکشن بھی ایک بڑی زبردست تقریب ہوتی تھی۔اسکی دلچسپی اور عظمت کا یہ حال تھا اس میں شرکت کے اجازت نامہ کے حصول کے لئے شہر کے چیدہ چیدہ لوگ سرگرم وکوشاں ہوتے اور سفارشیں کروائی جاتیں۔اس کی بھرپور تیاری ہوتی جو پروگرام بنتے ان کی بار بار ریہرسل ہوتی مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی جاتی تا ان کی جدت اور Surprise قائم رہے۔جب فنکشن منعقد ہوتا تو اس رات کو فری نائٹ قرار دیا جاتا۔اور ہر ایک کو اظہار کی کھلی آزادی ہوتی مگر حدود وقیود کے اندر اور اخلاقیات کے تقاضوں کے عین مطابق۔طنز ومزاح ،تعریف وستائش کے اظہار کے انوکھے اور تیکھے انداز اختیار کیئے جاتے۔ان پروگراموں میں طلبہ میں اختراعی صلاحیت بیدار ہوتی وہاں مافی الضمیر اور مدعا کے ابلاغ کی استعداد بھی پیدا ہوتی۔غرضیکہ قدرت سے ودیعت شدہ استعدادوں اور صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اجاگر کرنے کی ایک تدبیر ہوتی۔ان پروگراموں کی بازگشت سال بھر اور پورے ربوہ میں سنی جاتی اور اس کی تکرار میں لذت یابی کا سامان ہوتا۔ہر کردار کی تعریف ہوتی اور ہر انداز کو سراہا جاتا۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی زعامت دینی اور جماعتی پروگراموں کو بڑے شوق اور انہاک اور توجہ سے جاری رکھتی۔اور

ہماری مجلس ہنگامی ڈیوٹیوں میں قابل تعریف قرار پاتی اور اس کے پروگراموں میں ایک باقاعدگی اور ذوق وشوق تھا جو تسلسل سے جاری وساری رہتا۔

رفاقتوں اور رقابتوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہ آنکھ مچولی بھی جاری رہتی۔ مگر کبھی حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوتی۔ کبھی مخاصمت تک نوبت نہ آتی۔ نوک جھونک ہوتی۔ بھول جاتی۔ ایسا کیوں تھا اس لئے کہ ہمارے اساتذہ کی ہر ایک پر نظر ہوتی اور وہ تراش خراش کا عمل جاری رکھتے اور قد کو بڑھانے اور خوشنمائی کے لئے اسے ضروری سمجھتے تھے اور ہر بڑھتی شاخ کی بریدگی اور سرکشیدگی کو موزوں اور معتدل بنا دیتے۔

جب اس قدر اہتمامات اور انتظامات اور سہولیات اور رہنمائیاں اور نگرانیاں موجود تھیں اور موثر تھیں تو اس انتظام میں سلیقہ اور سنوار اور حسن اور خوبصورتی کیوں نہ آتی۔

ہر ایک پر انفرادی توجہ اور دیکھ بھال کا یہ حال تھا کہ بیماری وعلالت ایسا وقت ہوتا ہے کہ مریض توجہ چاہتا ہے اور گھر والے یاد آتے ہیں۔ کوئی طالب علم بیمار پڑ جاتا تو اسے سِک روم میں منتقل کر دیا جاتا جہاں آسائش و آرام ہوتا۔ ادویہ اور ڈاکٹری معائنہ کا التزام ہوتا پرہیزی کھانا جاری ہو جاتا۔ اگر تیمار دار کی ضرورت ہوتی تو مہیا کیا جاتا۔ اساتذہ باقاعدگی سے عیادت کے لئے تشریف لاتے اور ہمدردی کے اس موقع پر کیا کیا دلداری اور دلجوئی کا سامان نہ ہوتا۔

ایک اور حسین زاویہ اس منظر کا یہ تھا کہ ہم کسی ایک علاقے سے متعلق نہ تھے کہ معاشرت اور تمدن کا کوئی ملتا جلتا انداز رکھتے تھے۔ بلکہ ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے کوئی سندھی، کوئی پنجابی، پختون اور بلوچی۔ ہر علاقہ کی اپنی ریت وروایت اپنے اپنے رسم ورواج، عادات وروایات۔ پسند وناپسند الگ الگ۔ مگر یہاں آ کر ایک کلچر میں سب مدغم ہو گئے۔

مذہب زندگی پر غالب اور مضبوط اثر رکھتا ہے طلبہ کئی فرقوں اور مسلکوں کے کاربند تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سال ایسا بھی آیا تھا کہ احمدی، غیر از جماعت طلبہ کے مقابلہ میں کم تھے۔ ہوسٹل کی زندگی اس اعتبار سے مثالی تھی۔ تحمل اور رواداری، مذہبی آزادی۔ ہر طالب علم اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق مذہبی رسومات اور عبادات بجا لاتا، نماز کی پابندی ہر ایک پر لازم تھی۔ الگ الگ نمازیں باجماعت ادا ہوتیں۔ کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ تو درکنار کوئی منفی تاثر تک دیکھنے میں نہ آیا۔ کوئی کشیدگی یا آویزش پیدا نہ ہوتی۔ باہم شیر وشکر اکٹھے رہتے۔

غرضیکہ جو ضرورت درپیش آتی اس کے پورا کرنے کا سامان میسر ہوتا۔ اور دوسری طرف جو ذمہ داری کا تقاضہ

قائم ہوتا اس کی کما حقہ پابندی طلبہ سے کروائی جاتی۔

جب یہ حسن انتظام وانصرام باہم ادب واحترام، پابندیوں اور آزادیوں کا خوبصورت توازن۔ اس باغ میں ہر صنوبر آزاد بھی تھا اور پابگل۔ اس جگہ پر ہر دل آرام پاتا اور ہر جسم راحت محسوس کرتا اور ہر ذہن سکینت یاب ہوتا۔ ہر ایک دوسرے کا دست وبازو بن جاتا۔ ہر ایک دوسرے کا دوست ہوتا۔ محبتیں جلوہ افروز ہوتیں اور نفرتیں اور کدورتیں غائب ہوتیں۔ چنانچہ یہ منظر نامہ تھا. فليتنافس المتنافسون

یہ ہمارے اساتذہ کرام کی ذاتی توجہ نہایت درجہ شفقت اور مہربانی کا ثمرہ تھا۔ یہ گھر نہ کہلاتا تو کیا نام پاتا۔ ایک خاندان تھا جس کے سینکڑوں افراد کنبہ تھے۔ اساتذہ کی دن رات کی محنت نے ہوسٹل کو در حقیقت گھر بنا دیا تھا۔ اس کا سہرا ہمارے قابل صد افتخار واجب الاحترام استاذی المکرم چوہدری محمد علی صاحب دام فیوضہ، کے سر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی سے بھرپور، لمبی اور فعال عمر سے نوازے۔ آمین

یادوں کے دھارے میں بہتا میں بہت دور نکل آیا۔ تحریر کی طوالت خط کی روایتی حد سے تجاوز کر رہی ہے۔

حکایت لذیذ بود دراز تر گفتم

ایک تخیلاتی کیفیت اور اس کے بیان میں اختصار اور عدم مقدرتِ اظہار کی وجہ سے منظر کے سب رنگ ہی پھیکے پڑ گئے ہوں گے۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں یادوں کے تار کو ایک ضرب اور جنبش کی سعی ناتمام ہی سہی شاید اس ارتعاش سے ساز وآواز کا کوئی سلسلہ چل نکلے۔

آمدم برسر مطلب۔ آپ کی ویب سائٹ دیکھ کر مجھے توجہ ہوئی کہ پرانے بقچہ کی تلاشی لی جائے شاید کوئی مفید مطلب چیز ہاتھ آجائے۔

چند تصاویر بتاں چند حسینوں کے خطوط

بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ سامان نکلا

چند تصاویر مل گئیں جو ارسال خدمت ہیں اور خطوط تو بہر حال پردہ داری کی بات ہے۔

تصاویر دیکھیں تو کئی پیارے وجود نظر آئے جو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے۔ خدا تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ اکثر ہیں جن کے احوال کی خبر ہی نہیں۔ ان بچھڑنے والوں کی یاد دل کو آزردہ اور غمگین بنا دیتی ہے۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

غالب نے کیا خوب کہا!

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیئے

تابناک اعلیٰ روایت کا حامل یہ تعلیمی ادارہ ظالموں اور جبرہ دستوں نے ہم سے چھین لیا۔ وہ ادارہ جس کے فارغ التحصیل اس سے اپنی نسبت قائم کرکے فخر اور تفوق اور بڑائی محسوس کرتے تھے، سر بلند ہو کر عملی میدان میں مسابقت ومہارت کے جوہر دکھاتے تھے۔ اب ادھر کو کوئی رخ کرنے کو ہی تیار و آمادہ نہیں۔ ربع صدی سے زائد کے عرصہ کے دوران ہی یہ تنزل کا شکار ہو کر اس حال کو پہنچ گیا ہے کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ گویا کہ کالعدم ہو چکا ہے۔ مایہ ناز اور سرمایہ افتخار اساتذہ جو کوڑیوں میں لعل تھے ناپید ہوئے اور ان کی جگہ تنخواہ دار چند ملازمین نظر آتے ہیں۔ جن کو نہ تدریس کا شوق اور جنون اور پڑھنے والے وہ جن کو حصول علم سے غرض نہیں۔ حکومتی بے رعنائیوں اور محکمانہ لاپرواہیوں نے جلتی پر تیل کا کام دکھایا۔ بربادی اور تباہی چاروں طرف سے محیط ہو چکی ہے۔ چند سال ہوئے بلڈنگ کے محکمہ نے اسے ناقابل استعمال قرار دے کر خالی کرنے کا حکم صادر کر دیا ہوا ہے۔ یہ سرسبز و شاداب باغ ویرانہ میں بدل چکا ہے اور خوشنما اور خوبصورت روئیدگیوں کی جگہ جھاڑیاں اور سرکنڈے نظر آتے ہیں۔ حیف صد حیف کہ رونقوں سے معمور، زندگی سے بھرپور، زندہ اور زندگی بخش علم و آگہی کا یہ گہوارہ، معروف دانشکدہ اس حال میں ہے کہ اتفاق سے ادھر کا گزر ہو تو بے اختیار رخ دوسرے طرف پھر جاتا ہے کہ یہ منظر دیکھا نہ جائے ہے۔ سناٹا ہے، خامشی ہے، ہر نقش فریادی، ہر صورت کاغذی پیراہن پہنے مجسم سوال نظر آتی ہے۔

لئے پھرتے ہو سوالوں کی صلیبیں طارق

کر گئے کوچ سبھی لوگ خوابوں جیسے

اس خستہ سامانی اور بدحالی کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دل سے ٹیس اٹھتی ہے!

کچھ بوئے نفس آتی ہے دیواروں سے

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس زیان کا کوئی چارہ نہیں اور اس غم کے بیان کا یارا نہیں!

تھی داستاں دراز بھی اور دلگداز بھی

لیکن کہاں ہے دل کہ دیا جائے اس کو طول

اور اب بس......!!!!!!

پسِ تحریر: مجھے یہ احساس ہے کہ آپ کی ویب سایٹ کی زبان بالعموم انگریزی ہے۔لیکن زبانِ غیر میں کیا شرح آرزو کرتے۔اس مجبوری پر معذرت خواہ ہوں۔

والسلام

مسعود احمد خالد

76۔کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان

فون گھر:0092-47-6213309

فون دفتر:0092-47-6215615

پس نوشت:

مجھے یقین ہے کہ اس تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھنے والے اللہ کے بندے اور اس کے محبوب حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی اللہ کو لاج ہے جس نے اس ادارے کو تعلیم الاسلام کا نام دیا اور جو مقاصد اور مطمع نظر مقرر فرمایا وہ اسی نام سے احیائے نو پائے گا جس طرح پہلے یہ ادارہ علم و دانش اور معرفت و آگہی کا گہوارہ ثابت ہوا تھا اور آسمان علم کا روشن ستارہ بن کر ابھرا تھا۔پھر آب و تاب اور چمک دمک دکھلائے گا۔روشنی کا مینار اور علم وعمل جو اس کا ماٹو ہے کا شاندار مظہر ثابت ہوگا۔

غالباً 1996ء کی بات ہے کہ حکومت نے قومیانے جانے والے تعلیمی اداروں کو اُن کے ٹرسٹیز کو واپس کرنے کا اعلان کیا تھا اور چند شرائط اور خطیر رقم جمع کروانے سے مشروط کیا۔ جماعت نے فوراً کیس تیار کر کے اور مقررہ رقم جمع کروا کر تمام شرائط پوری کر دی تھیں۔تب سے یہ کیس ارباب بست و کشاد کے فیصلہ کا منتظر ہے۔اس دوران حکومتیں آئیں اور گئیں۔بے شمار رابطے ہوئے مگر کسی کو ہمت و توفیق نہیں ہوئی۔ہم تو قادر و مقتدر اور عزیز و قدیر رب کے فضل کے منتظر ہیں۔تقدیر تدبیر کا تقاضہ بھی کرتی ہے۔دعا کے ساتھ مقدور بھی کوشش بھی شرط ہے۔اگر اولڈ بوائز ایسوسی ایشن بھی اس تدبیر اور کوشش میں کسی طور سے شریک کار ہو تو اس کی خوش نصیبی ہوگی۔

مجھے یہ احساس ہے کہ ویب سائٹ کی زبان انگریزی متداول ہے۔لیکن زبان غیر میں کیا شرح آرزو کرتے معذرت خواہ ہوں۔